ترکی میں تحریکِ احیائے اسلام کی موجودہ حالت

دورۂ ترکی کے مشاہدات

از جناب خلیل حامدی صاحب

(۴)

استنبول کا منظر | استنبول کا منظر عجیب دلفریب اور مسحور کن ہے۔ سامنے آبنائے باسفورس ہے اور آبنائے کے اُس پار اسکودار یعنی ایشیاتی استنبول۔ دائیں ہاتھ آبنائے باسفورس کے اندر سے ایک خلیج (گولڈن ہارن) نکل رہی ہے جو یورپی استنبول میں داخل ہوتی ہے اور بیوغلو کو فاتح سے جدا کرتی ہوئی ۵ میل تک اندر چلی جاتی ہے۔ پشت پر بیوغلو ہے۔ جدھر دیکھیں ساحل ہی ساحل ہے۔ شہر کی روشنیاں آبنائے باسفورس، گولڈن ہارن اور مرمرہ کے سبز اور نیلگوں پانیوں کے اندر عکس ریز ہو رہی ہیں۔ نیل کے ساحل بھی دیکھے ہیں۔ بیروت کو بھی بحرِ ابیض کے اندر ضَو بار دیکھا ہے۔ مشرق میں ان دونوں مقاموں کی دُھوم ہے۔ مگر استنبول کا یہ منظر دونوں کو مات کر رہا ہے۔ اہلِ مغرب اسے دنیا کی جنّت سے تعبیر کرتے ہیں۔ ترک قوم پرست اِسے "وطن کی زینت اور تاریخی ثروت" قرار دیتے ہیں۔ مؤرخین کے الفاظ میں یہ تاریخ کا مہد (گہوارہ) بھی ہے اور تاریخ کی لحد (مدفن) بھی۔ خلافتِ عثمانی کے طویل دَور میں ملّتِ اسلامی کا بالاتفاق یہ فیصلہ رہا کہ استنبول اسلام کی آنکھوں کی ٹھنڈک، مجاہدین کی کچھار اور اہلِ نظر کا آستانہ ہے۔ نائف آفندی نے ایشیائی ساحل کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ سامنے کی طرف جو قلعہ نظر آ رہا ہے یہ محمد الفاتح نے بنایا تھا۔ محمد الفاتح نے جب قسطنطنیہ کی فتح کا ارادہ کیا تو اس کے لیے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ اُن میں سے ایک یہ قلعہ ہے۔ آبنائے باسفورس کے نیلگوں پانی پر جب نظر ڈالی تو دیکھا کہ متعدد جہاز حرکت میں ہیں اور خاصی چہل پہل ہے۔ ان میں کچھ جہاز تو مقامی ہیں اور یہاں کی عام آبادی کی نقل و حرکت کے لیے مخصوص ہیں۔ اور کچھ غیر ملکی ہیں۔ نائف صاحب اور دوسرے ساتھی جہازوں کی نقل و حرکت

کا دیر تک جائزہ لیتے رہے اور آپس میں ترکی زبان میں تبصرے کرتے رہے پھر خود ہی مجھے بھی رازدارانہ طریقے سے بتانے لگے کہ آج کل رُوس کے جنگی جہاز یہاں سے بالعموم گزرتے رہتے ہیں۔ رُوس کا جو جنگی بیڑہ اس وقت بحرِ ابیض میں ہے اُس کی سپلائی مسلسل جاری ہے۔ مَیں نے مزاحاً اُن سے کہا کہ جن عربوں کی خاطر آپ نے رُوس کے لیے یہ آبی شاہراہ کھولی ہے وہ تو آپ کے دشمنوں کو آپ کے خلاف فوجی امداد دیتے رہے ہیں۔ پروفیسر عُزیر نے فوراً میرا اشارہ بھانپ لیا اور معاً جواب دیا کہ کیا عرب لیڈروں کی غلطیوں کا انتقام ہم عرب عوام سے لیں؟ عرب عوام مسلمان ہیں اور ہمارے بھائی ہیں۔ ہم اُن کے غم والم میں برابر کے شریک ہیں۔ شیخ یُوسف نے تو یہاں تک حسبِ معمول جذباتی انداز میں کہہ دیا کہ اگر فلسطینی چھاپہ مار مجھے لینے کے لیے تیار ہوں تو مَیں آج ہی تمام کاروبار ختم کر کے اسرائیلیوں کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ اپنی حکومت کی عرب نواز پالیسی پر یہ لوگ بہت مطمئن تھے اور سلیمان دَیمرِل کے حق میں اچھے جذبات کا اظہار کرتے رہے۔

کنارِ آبِ جُو پہاڑی سے ہم بڑی مشکل سے موٹر کو اُتار سکے۔ شیخ یوسف نے جوشِ محبت میں پہاڑی پر موٹر کو چڑھا تو دیا تھا مگر راستہ بہت خراب تھا۔ اُترتے ہوئے سخت تکلیف ہوئی۔ پہاڑ سے اُتر کر ہم آبنائے باسفورس کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہو لیے تاکہ آبنائے کا قریب سے نظارہ دیکھیں۔ سڑک ساحل سے اِس قدر متصل ہے کہ اس پر لبِ ساحل کا اطلاق محاورۃً نہیں حقیقتاً ہوتا ہے۔ سڑک کے ایک طرف کنارۂ سمندر۔ دوسری طرف محلّات کا سلسلۂ طویل۔ اور محلّات بھی قدیم اور ساخت کے لحاظ سے عجوبۂ روزگار۔ نائف آفندی میری وضاحت طلب نظروں کو دیکھ کر بتانے لگے کہ یہ محلّات مختلف عثمانی حکّام کے ہیں۔ عثمانی اُمراء اور بیگمات گرمیوں کے ایّام میں اِن محلّات میں منتقل ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ان کی تعمیر میں اِس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ بالاخانوں کے اندر بیٹھنے والے باہر کے نظارے سے پُوری طرح لُطف اندوز ہو سکیں مگر باہر سے اندر کی کوئی چیز نظر نہ آئے۔ یہ محلّات اپنی کہنگی کے باوجود نہایت دیدہ زیب اور جاذبِ نگاہ ہیں۔ تُرکوں کے طرزِ تعمیر کو دنیا نے سراہا ہے بلکہ تاریخ میں اُن کے طرزِ تعمیر کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکا۔ اس بارے میں اُن کے ذوقِ بلند اور مہارتِ فن نے بڑی جولانیاں دکھائی ہیں۔ عمارات کی تعمیر میں عثمانی آرٹ کی نمایاں خوبیاں ایسی ہیں کہ آج بھی اُن کی باقیات کو دیکھ کر دُنیا انگشت بدنداں ہے۔ عمارات کی تعمیر میں عثمانی آرٹ کی نمایاں خوبیاں یہ ہیں کہ یہ عمارات مضبوطی اور استحکام میں بے نظیر ہیں نزاکت، دلآویزی اور نقش و نگار کے لحاظ سے لاجواب۔ موسمی تغیرات کا سامنا کرنے ←

کے لیے حد درجہ موزوں ۔ اور اسلام کے اصُولِ معاشرت اور اسلامی آداب و قیود کے عین مطابق ۔ عثمانی عمارتوں کو دیکھ کر انسان بآسانی اندازہ لگا سکتا ہے کہ ترکوں کی تہذیب میں حیا، شرافت، پاکیزگی اور غیرت کو کس درجہ پذیرائی حاصل تھی ۔

چلتے چلتے ہم ایک قہوہ خانہ پر جا کر رُک گئے ۔ آبنائے باسفورس کا یہ نہایت مشہور و معروف ساحلی قہوہ خانہ ہے ۔ اس کا نام ہے قہوہ امیر خان ۔ بہت پُرانے اور تاریخی قہوہ خانوں میں سے ہے اور قاہرہ کے محلہ خان الخلیلی کے قہوہ خانوں کا ہم عصر ۔ یہاں کی چائے اور ثعلب بہت مشہور ہے ۔ ان کی خاطر دور دراز سے لوگ آتے ہیں ۔ ثعلب ہمارے ہاں کی فرنی اور عربوں کی مُحَلَّبیہ سے ملتی جُلتی ایک چیز ہے ۔ نائف آفندی کہنے لگے قہوہ امیر خان کے بارے میں یہاں مشہور ہے کہ اگر کسی شخص کی عقل کام نہ کر رہی ہو تو اس قہوہ خانے میں کچھ وقت گزار جائے ۔ یہاں کے قہوہ اور ثعلب سے بھی شاد کام ہو اور آبنائے باسفورس کی سلگوں موجوں سے بھی محظوظ ۔ عثمانی دَور میں اُمراء اور حکام تک قہوہ امیر خان میں آتے تھے اور عام آدمیوں کے ساتھ بیٹھ کر وقت گزارتے تھے ۔ اس قہوہ خانہ کو بعض سلاطینِ آلِ عثمان کی پذیرائی کا شرف بھی حاصل رہا ہے ۔

نائف آفندی مجھ سے پُوچھنے لگے کہ ہماری ثعلب آپ کو پسند آئی ؟ راقم الحرُوف نے عرض کیا کھانے پینے کی چیزوں کے بارے میں میری پسند و ناپسند ناقابلِ اعتبار ہے ۔ آپ کی ثعلب کے بارے میں اصل فیصلہ مولانا مودُودی کر سکتے ہیں ۔ کہنے لگے کہ ہم نے آج سے تہیہ کر لیا ہے کہ مولانا مودُودی اگر ترکی آئے تو انہیں ایک رات یہاں ضرور لائیں گے ۔ اور پھر مسکرا کر کہنے لگے کہ " اسد (شیر) کُجا اور ثعلب (لومڑی) کجا " یہ فقرہ دوستوں کے لیے کافی دیر تک دل لگی کا موضوع بنا رہا ۔

پُورے ساحل پر ایک اور عجیب منظر دیکھا ۔ مچھیروں نے پانی میں جال ڈال رکھے تھے اور خوب ہنگامہ برپا کر رکھا تھا ۔ چونکہ ساتھ ساتھ مچھلی فروخت ہو رہی تھی اس لیے ہنگامہ آرائی نے پُورے ساحل کو مچھلی مارکیٹ بنا رکھا تھا ۔ مچھیرے چھوٹے چھوٹے اسٹیمروں پر سوار تھے اسٹیمروں کے اندر ہی بیٹھ کر انہوں نے بڑے بڑے جال پانی میں ڈال رکھے تھے ۔ ایک میل کے فاصلہ تک پانی کے اندر اسٹیمر ہی اسٹیمر دوڑتے پھر رہے تھے ۔ اور جو مچھلی ان کے ذریعہ شکار کی جاتی تھی اُسے کنارے پر ڈھیر کرتے جاتے تھے ۔ دلّال بھی موقع پر موجود تھے ۔

مچھلی کا شکار اور اس کی تھوک کے حساب سے فروخت بیک وقت جاری تھی۔ اس شدید سردی میں جبکہ اعضا لئے جسم یخ ہو رہے تھے ترکی مچھیروں کی اس جفاکشی اور سخت جانی پر طبیعت عش عش کر اٹھی۔ ترکی قوم مجموعی طور پر نہایت فعال اور محنت کش قوم ہے۔ اور اس لحاظ سے پاکستانی قوم سے بہت حد تک مشابہت رکھتی ہے۔ ترکوں کی اس جفاکشی کا ضرورت سے زیادہ احساس اس لیے بھی ہو رہا ہے کہ ابھی ابھی سعودی عرب کی سہل انگار اور سست رو قوم کو دیکھ کر آیا ہوں۔ ساحل وہاں بھی ہیں مگر ان سے استفادہ کرنے والے خال خال۔ نائف آفندی نے بتایا کہ مچھلی ہماری قومی آمدنی کا ایک معقول ذریعہ ہے۔ ایک طرف انسانوں کا گروہ کثیر مچھلی کے شکار میں مگن تھا اور دوسری طرف پرندوں، بطخوں اور مرغابیوں کے جھنڈ کے جھنڈ سطح آب پر تیرتے پھر رہے تھے اور اسی انداز سے شور مچا رہے تھے جس انداز سے ماہی گیروں نے مچا رکھا تھا۔ جو مچھلی انسانوں کی گرفت سے بچ جاتی وہ اس مخلوق کا لقمہ بن جاتی۔ قرآن کی یہ آیت بے ساختہ زبان پر آتی رہی کہ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (النحل۔ ۱۴)۔

اسلامی اخوت کے مظاہر | واپسی کے وقت وہ کٹھن راستہ ہم نے ترک کر دیا جس سے آئے تھے بلکہ ساحل کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ کافی رات ہو چکی تھی۔ سردی کی شدت سے دنیا اپنے اپنے ٹھکانوں میں سر چھپائے پڑی تھی۔ راستے میں شیخ یوسف نے ایک ریستوران کے سامنے موٹر روک لی اور دعوت دی کہ کھانا کھایا جائے۔ میں سوءِ ہضم میں مبتلا ہو چکا تھا۔ ساتھیوں نے بہت اصرار کیا کہ میں کچھ نہ کچھ ضرور کھاؤں مگر میں نے عرض کیا کہ کھانا کھانے کے بجائے دوا کھانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، کیونکہ معدہ روزوں کی وجہ سے اور مسلسل آب و ہوا کی تبدیلی سے بے حد متاثر ہو چکا ہے۔ میں نے اپنی یہ کیفیت کھانے کے لیے ان کے اصرار سے بچنے کی وجہ سے سادگی سے بیان کر دی مگر شیخ یوسف یہ سنتے ہی اٹھے اور ہمیں ریستوران میں چھوڑ موٹر لے کر ڈاکٹر کی تلاش میں نکل گئے۔ میں نے جب ان کے فوری غیاب کی وجہ دریافت کی تو نائف آفندی نے بتایا کہ وہ آپ کی تکلیف کا حال سن کر دوا کی تلاش میں نکل گئے ہیں۔ مجھے یہ سن کر شدید ندامت ہوئی۔ رات خوب بھیگ چکی ہے۔ برفباری کا وقت ہے۔ شہر میں ہو کا عالم ہے۔ شیخ یوسف کو یہ کیا سوجھی کہ آؤ دیکھا نہ تاؤ معمولی سی تکلیف کی خاطر تلاش طبیب میں نکل کھڑے ہوئے۔ دس پندرہ منٹ مشکل گزرے ہوں گے کہ وہ دواؤں کا لفافہ ہاتھ میں لیے ریستوران میں

داخل ہوتے ہی میں نے وفورِ تشکر سے دواؤں کا لفافہ وصول کر لیا مگر اس اعتذار اور ندامت کے ساتھ کہ میں آپ کے لیے ناوقت تکلیف کا سبب بن گیا۔ شیخ یوسف کہنے لگے کہ رمضان المبارک میں دوا رات کو ہی کھائی جا سکتی ہے اس لیے اب اگر دوا نہ لیتے تو کل شام تک بات ٹل جاتی اور مرض میں اضافہ ہو جاتا۔ ترکوں کی مہمان نوازی اور خاطر داری کی شہرت بہت سنی تھی مگر اب تو قدم قدم پر اس کا مشاہدہ اور تجربہ ہو رہا ہے۔ تعارف اور ملاقات کی مدت چوبیس گھنٹوں سے زیادہ نہیں ہوتی ہے مگر آپس میں ایسی یگانگت اور قرب اور قلبی اتصال موجزن ہے کہ گویا ہم پہلے کسی دور میں اکٹھے رہ چکے ہیں اور ایک عارضی وقفہ فراق کے بعد دوبارہ ملنے کا موقع نصیب ہو گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہ روحانی وحدت ہے جو صرف اسلام کی بدولت حاصل ہو سکتی ہے اور جس پر زبان اور رنگ کا اختلاف اور نسل و وطن کی بیگانگی اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ اس حد پر مستزاد وہ تحریکی اور نظریاتی ہم آہنگی ہے جو میرے اور ان کے درمیان پائی جاتی ہے۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ میرا جماعت اسلامی سے تعلق ہے اور مولانا مودودی کا میں سیکرٹری اور ان کی کتابوں کا مترجم ہوں تو وہ محبت سے بے قابو ہو جاتے ہیں اور میری یہ نسبت ان کی غیر معمولی الفت و موانست کا مرکز بن جاتی ہے۔

یہ ریستوران جس میں ہم بیٹھے ہیں اس کے مالک وہی بزرگ ہیں جنہوں نے آج مدرسہ امام و خطیب کے طلبہ و اساتذہ کی افطاری کا انتظام کیا تھا۔ بڑے صاحبِ ثروت ہیں۔ اس ریستوران کے علاوہ اور بھی متعدد تجارتی اداروں کے مالک ہیں۔ مگر مزاج و طبیعت کے لحاظ سے انکساری، سادگی، تواضع اور درویش منشی کا پیکر ہیں۔ ریستوران کے اندر انہوں نے یہ اعلان آویزاں کر رکھا ہے کہ مدرسہ امام و خطیب کے طلبہ و اساتذہ اور دوسرے مفتیوں اور اماموں کے لیے یہ خصوصی رعایت ہے کہ ان سے کھانے کے ۲۵ فیصد دام کم لیے جائیں گے۔ یہ ریستوران استنبول کے اعلیٰ درجے کے ریستورانوں میں شمار ہوتا ہے۔ گولڈن ہارن کے کنارے واقع ہے۔ سیاحوں اور عام شہریوں کا ہر وقت جمگھٹا رہتا ہے۔ نظافت اور صفائی میں ترکوں کے ذوقِ نفیس کا آئینہ ہے۔ کمرے کشادہ اور نشستیں نہایت آرام دہ اور خوبصورت ہیں۔ اور خدمتگار چاق و چوبند۔ ساتھیوں نے بتایا کہ کھانوں کے لحاظ سے بھی اس کا معیار بہت بلند اور شہرت یافتہ ہے۔ اسلامی آداب کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ہر کمرے میں یہ دعا طغرے کی شکل میں آویزاں ہے کہ: "الحمد للہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین"۔ مزید معلوم ہوا کہ ریستوران کے مالک ترکی کی موجودہ اسلامی تحریک سے وابستہ ہیں اور ان کا یہ ریستوران ہمیشہ اہلِ دعوت کی فرودگاہ بنا رہتا ہے۔

ترکستانی مسلمانوں کی مظلومی | اگلے دن صبح کے دس بجے عیسیٰ یوسف الپتگین ہوٹل میں تشریف لے آئے۔

رات انہوں نے ملاقات کا وعدہ لے لیا تھا۔ عیسیٰ یوسف ہمارے پرانے شناسا ہیں۔ ایک مرتبہ لاہور بھی تشریف لا چکے ہیں اور مولانا محترم سے ملاقات کر چکے ہیں۔ رابطۂ عالمِ اسلامی (مکہ مکرمہ) کے اجلاس کے دوران بھی ایک بار اُن سے ملاقات ہو چکی ہے۔ مشرقی ترکستان پر جب ۱۹۴۹ء میں چین کی کمیونسٹ حکومت نے زبردست فوجی کارروائی کے ساتھ قبضہ کر لیا تو موصوف وہاں سے پاکستان پہنچ گئے اور مختصر عرصہ کے قیام کے بعد پاکستان سے ترکی چلے گئے، پھر ترکی ہی کو اپنا دارالہجرت بنا لیا۔ موصوف برابر مسئلۂ ترکستان کے لیے سرگرمِ کار ہیں اور یہ اُن معدودے چند ترکستانیوں میں سے ہیں جو ترکستان کی آزادی کے لیے تڑپ رکھتے ہیں اور اس کے لیے عملاً جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ عیسیٰ یوسف صاحب نے آتے ہی پہلے مولانا محترم کی صحت کے بارے میں پوچھا اور پھر فرمانے لگے کہ ہم نے سُنا ہے کہ مولانا مودودی ترکی تشریف لا رہے ہیں۔ ہم اس موقع پر مشرقی ترکستان کے مہاجروں کا ایک عام اجتماع بلائیں گے تاکہ وہ مولانا محترم سے مل کر اُن کے سامنے ترکستان کا مسئلہ رکھیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے مجھ سے وہ تاریخیں دریافت کیں جن میں مولانا محترم ترکی آئیں گے۔ لیکن میں نے انہیں بتایا کہ میں مولانا محترم سے رابطہ قائم کر رہا ہوں۔ اُن کی طرف سے جو جواب ملے گا اس کی روشنی میں آپ کوئی پروگرام تیار کریں۔

رُوس اور چین کا شکار عظیم تر ترکستان | عیسیٰ یوسف صاحب نے ابتدائی بات چیت کے بعد ترکستان اور ترکستانی مسلمانوں کی حکایتِ خونچکاں چھیڑ دی۔ اِدھر بھی سازِ دل تشنۂ مضراب تھا۔ شیخ عیسیٰ کی موجودگی سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس داستان کی تفصیلات سُنیں، اور ترکستان کے اسلامی خطہ کے سقوط اور مہاجرین ترکستان کی سرگزشت سے آگاہی حاصل کی۔ دو گھنٹے تک شیخ عیسیٰ کے ساتھ اس موضوع پر تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔ شیخ عیسیٰ یوسف نے بتایا کہ ہم "عظیم تر ترکستان" (GREATER TURKISTAN) کے دعویدار ہیں۔ یہ "عظیم تر ترکستان"، خالص اسلامی خطہ ہے۔ مگر اس پر اب دو استعماری طاقتوں، روس اور چین نے بجبر قبضہ کر رکھا ہے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ مسلمان ممالک میں سے کسی مُلک نے اس قضیہ کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا۔ رابطۂ عالم اسلامی مکہ اور مؤتمر عالم اسلامی کراچی نے بھی اس مسئلہ کو قرارداد تک محدود رکھا ہے۔ ہر مسئلہ کی پشت پر کوئی نہ کوئی طاقت موجود ہے، یہاں تک کہ تبت کے مسئلہ پر بدھ مذہب

کے پیرو باشندے اور حکومتیں موجود ہیں، مگر ترکستان مسلمان حکومتوں کی سیاسی مصلحتوں کی بھینٹ چڑھ گیا ہے اور آج تک یہ مسئلہ اقوامِ متحدہ کی میز تک نہیں پہنچ سکا۔ حالانکہ تبت کا مسئلہ اب تک تین بار ۱۹۵۹ء اور ۱۹۶۰ء اور ۱۹۶۵ء میں اقوامِ متحدہ میں موضوعِ بحث آچکا ہے اور بدھ حکومتوں کی تائید اور تھائی لینڈ، فلپائن اور آئرلینڈ کی حمایت حاصل کر چکا ہے۔ ترکستان کے حق میں اگر کہیں سے آواز بلند بھی ہوئی ہے تو وہ ترکستان کے مسلمانوں کی خاطر نہیں بلکہ مخصوص مفادات کے تقاضوں کے تحت بلند ہوئی ہے۔

"عظیم تر ترکستان" کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ عیسیٰ نے بتایا کہ عظیم تر ترکستان سے مراد ترکستان کے دونوں حصے ہیں۔ مغربی ترکستان بھی جس پر روس قابض ہے اور مشرقی ترکستان بھی جسے چین نے ہڑپ کر رکھا ہے۔ مغربی ترکستان پر روسی کمیونسٹوں نے ۱۹۲۳ء میں قبضہ کیا اور مسلمانوں کے بڑے بڑے شہروں مثلاً بخارا (امام بخاریؒ کی جائے پیدائش)، سمرقند (تیمور لنگ کے دارالحکومت اور امام منصور ماتریدیؒ کی جائے سکونت)، افشنہ (ابن سینا کی جائے پیدائش)، تاشقند (جس کا قدیم نام شاش ہے اور اصول فقہ کی مشہور کتاب اصول الشاشی کے مصنف کا مولد ہے)، مرغینان (فقہ کی نامور کتاب ہدایہ کے مصنف، امام علی بن ابوبکر عبدالجلیل کے وطن)، نمنگان اور اندجان کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ مغربی ترکستان کا رقبہ ۴۰ لاکھ کیلومیٹر مربع ہے اور آبادی ۴ کروڑ کے لگ بھگ۔ یہ سب مسلمان ہیں۔ روس کی کمیونسٹ حکومت سے پہلے یہاں چار بڑی امارتیں قائم تھیں: امارتِ بخارا۔ امارتِ خیوہ (خوارزم)، امارتِ سمرقند اور امارتِ خوقند۔ کمیونسٹوں نے ان امارتوں کو ختم کر کے پورے مغربی ترکستان کے حصے بخرے کر دیئے اور یہ دیکھ کر کہ اتنے وسیع رقبہ پر تسلط قائم رکھنا مشکل ہوگا۔ اسے پانچ نام نہاد جمہوریتوں میں بانٹ دیا۔ یعنی ازبکستان، قازقستان، قرغیزستان، ترکمانستان اور تاجکستان۔ ان جمہوریتوں میں ایسا مستبدانہ نظام قائم کر دیا گیا کہ ایک علاقہ کے افراد دوسرے علاقہ کے افراد سے کلیتہً منقطع ہو گئے حتیٰ کہ ان کے رسم الخط تک الگ الگ کر دیئے گئے حالانکہ زبان سب کی ایک تھی۔ اس طرح مسلمانوں کی بہت بڑی طاقت کو منتشر کر دیا گیا۔ شیخ عیسیٰ یوسف نے بتایا کہ مغربی ترکستان کی بربادی کے بعد ترکستانی مسلمانوں نے مشرقی ترکستان کو اپنا مرکز بنا لیا اور کاشغر کو اس کا دارالحکومت قرار دیا۔ چنانچہ ۱۹۳۳ء میں وہاں جمہوریہ اسلامیہ کا قیام عمل میں آیا جس کے صدر الحاج خواجہ نیاز منتخب ہوئے اور وزیراعظم الحاج ثابت داملا۔

مگر یکایک ملک کے اندر روسی فوجیں داخل ہو گئیں جو جدید اسلحہ سے لیس تھیں۔ روسی فوجوں نے جمہوریہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ۵ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو جیلوں میں ڈال دیا اور ۲ لاکھ تعذیب اور کشت و خون کی نذر ہو گئے۔ دوسری عالمگیر جنگ کے دوران نیشنلسٹ چین (چیانگ کائی شیک کی حکومت) کے مطالبے کی بنا پر ۱۹۴۱ء میں روسی فوجوں نے مشرقی ترکستان خالی کر دیا۔ نیشنلسٹ چین کی فوجوں نے بھی ترکستانی مسلمانوں پر ظلم توڑے۔ بالآخر ترکستانی مجاہد علی خان تورہ کی قیادت میں ۱۹۴۴ء میں اس حکومت کے خلاف بغاوت برپا ہو گئی مگر روس نے ثالث کی حیثیت سے دخل دیا اور اس کے نتیجے میں یہ طے ہوا کہ ترکستان کو اندرونی خودمختاری دی جائے گی۔ چنانچہ اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں عام انتخابات ہوئے جن میں وطن پرست اور مُخلص عناصر کو بھاری کامیابی ہوئی۔ ایک نئی حکومت وجود میں آ گئی جس میں مسعود صبری گورنر جنرل مقرر کیے گئے۔ محمد امین بُغرا وزیر تعمیرات اور شیخ عیسیٰ یوسف الپتگین چیف سکرٹری۔ رُوس اس حکومت کی پُشت پناہی کر رہا تھا مگر ماؤزے تنگ کے لیے یہ صورتِ حال ناقابلِ برداشت تھی۔ چنانچہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۹ء کو ماوزے تنگ کی سُرخ فوجیں اس ملک میں داخل ہو گئیں۔ ترکستان کے چین نواز بعض فوجی جنرلوں نے اُن سے تعاون کیا اور عوام الناس کی مزاحمت کے باوجود چین کی سُرخ فوجوں نے مشرقی ترکستان پر قبضہ کر لیا۔ آخر کار لاتعداد مسلمانوں کو وہاں سے جلاوطن ہونا پڑا۔ کاشغر، یارقند، آقسو، خُتن اور طرفان وغیرہ اسلامی تہذیب و ثقافت کے قدیم مراکز آن کی آن میں زمین بوس ہو گئے۔ اور مشرقی ترکستان سے تُرک مسلمانوں کی نسبت محو کرنے کے لیے اُس کا نام "مشرقی ترکستان" کے بجائے سنگ کیانگ رکھ دیا گیا۔ مشرقی ترکستان کا رقبہ ۲۰ لاکھ کیلومیٹر مربع اور آبادی ایک کروڑ ہے۔ یہ تمام کی تمام آبادی مسلمان ہے اور اب کوشش کی جا رہی ہے کہ وہاں چینی اقوام کو لا لا کر آباد کیا جائے۔ مگر ترکستانی آبادی چینیوں سے شدید نفرت کرتی ہے اِس لیے بہت کم تعداد میں چینی وہاں جانے پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور جو آباد ہو چکے ہیں اُن کی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ چین نے اس علاقہ میں ایٹمی راکٹوں کی تیاری کے مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ یہ ہے روسی اور چینی کیمونسٹوں کا وہ انصاف جو انہوں نے کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ کیا ہے۔ اور یہاں کچھ مسخرے یہ سمجھے ہیں کہ سامراج صرف سفید رنگ ہی کا ہے، سُرخ سامراج کہیں موجود نہیں ہے۔

رُوس کی دوسری مُسلم آبادیاں

شیخ عیسیٰ یوسف نے درد بھرے انداز میں کہا کہ ہم ترکستان کے دونوں حصوں

کی آزادی چاہتے ہیں۔ یہ عظیم تر ترکستان مسلمانوں کی تاریخی اور تہذیبی دولت کی سرزمین ہے۔ اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ۸۶ھ میں یہ علاقے حلقہ بگوش اسلام ہوتے تھے۔ پوری ۱۲ صدیوں تک اس سرزمین نے علم و ثقافت اور جہاد و جانفشانی کے میدان میں زبردست خدمات سرانجام دی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ مسلمان حکومتیں اس کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہو رہی ہیں۔ شیخ عیسیٰ یوسف نے ترکستان کی آزادی کو پاکستان کے بقا و استقلال کے لیے بہت اہم قرار دیا۔ شیخ عیسیٰ نے "عظیم تر ترکستان" کا ایک نقشہ بھی تیار کر رکھا ہے۔ اُسے سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے واضح کیا کہ میں صرف ترکستان کی اسلامی حیثیت پر گفتگو کر رہا ہوں، ورنہ شمالی آذربیجان (رقبہ : ۹۰ ہزار کیلومیٹر مربع، آبادی ۳۵ لاکھ، مسلم آبادی ۸۰ فیصد)، والگا۔ اورال کے علاقے (مجموعی رقبہ ۶۰ ہزار کیلومیٹر مربع، آبادی ایک کروڑ ۷۰ لاکھ، مسلمان ایک کروڑ سے زائد)، شمالی قوقاز (رقبہ ایک لاکھ ۶۶ ہزار مربع میل، آبادی ایک کروڑ ۱۰ لاکھ ۲۰ ہزار، اور اکثریت مسلمان) اور جزیرہ نمائے قرم یا کریمیا (رقبہ ۲۷ ہزار کیلومیٹر مربع۔ مسلم آبادی ۲۲ لاکھ جو ۱۹۴۶ء میں پوری کی پوری جزیرہ سے نکال دی گئی) اور جمہوریہ تاتار اور جمہوریہ باشکر جن میں لاکھوں تاتاری مسلمان رہتے ہیں، مسلم علاقے ہیں اور یہ بھی اُسی ہمدردی، توجہ اور تعاون کے مستحق ہیں جس کے مستحق ترکستانی مسلمان ہیں۔

شیخ عیسیٰ یوسف نے اپنے حیرت انگیز حافظے کی مدد پر مجھے رُوس اور چین کے مسلمانوں کی کتاب ماضی کے ورق کے ورق سُنا دیئے، پھر انہوں نے نہایت مستند تحریری مواد بھی میرے سامنے رکھ دیا اور تاکید کی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سے درخواست کی جائے کہ وہ ہمارے مسئلہ کو اُٹھائیں۔ شیخ عیسیٰ یوسف مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ مولانا مودودی کا اپنا خاندان بھی تو اصلاً ماوراءالنہر کا ہے اور ننہیال کی طرف سے وہ خود بھی ترکستانی ہیں اس لیے یہ اُن کا اسلامی مسئلہ بھی ہے اور وطنی اور ملّی بھی۔ مولانا محترم کا خاندانی لحاظ سے ترکستانی اور مادری سلسلے سے تُرک یا تُرکمان ہونا ترکستانی مہاجروں میں خوب مشہور ہے۔ ترکی کے لوگ بھی جب یہ سُنتے ہیں تو بہت خوش ہوتے ہیں۔ بہرحال شیخ عیسیٰ یوسف الپتگین کے ساتھ ۲ گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی، اور اُن کی جگر پاش پاش کر دینے والی کہانی سُنتا رہا۔

ترکستانی مہاجروں کی تنظیم : شیخ عیسیٰ یوسف اور دوسرے ترکستانی مہاجروں نے استنبول میں باقاعدہ

اپنی ایک تنظیم قائم کر رکھی ہے۔ اس تنظیم کا ایک اعلیٰ قسم کا مرکز ہے جو استنبول میں شارع باب علی قادسی پر ایک خوبصورت اور بلند و بالا عمارت میں واقع ہے۔ اس مرکز میں ترکستانی تنظیم نے اچھے سرگرم، انتھک اور قابل نوجوانوں کی ٹیم جمع کر رکھی ہے جو ہمہ وقت اپنے مشن میں منہمک رہتی ہے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ ان نوجوانوں کے اندر ایسے افراد بھی ہیں جو ترکی کے علاوہ روسی، انگریزی اور عربی زبانوں میں بھی دسترس رکھتے ہیں۔ شیخ عیسیٰ نے ایک نوجوان عرفان اوغلو کا نام لیا اور مجھے تاکید کی کہ میں اُس سے ضرور ملوں۔ وہ عربی زبان میں بہت اچھی مہارت رکھتے ہیں۔ شیخ عیسیٰ نے ترکستان کے مسئلہ پر مجھے جو تحریری مواد دیا اُس میں اکثر چیزیں اسی نوجوان کی تیار کردہ ہیں۔ علاوہ بریں اس دفتر کے اندر وہ پُورا دستاویزی مواد موجود ہے جو ترکستان کی تاریخ اور وہاں کی مسلم آبادی کے حالات اور چینی کمیونسٹوں کے مظالم کی منہ بولتی تصویر پیش کرتا ہے۔ قدیم لٹریچر موجود ہے، خود روس اور چین کے اخبارات اور کتابوں کے حوالے موجود ہیں، نقشے اور خاکے ہیں۔ الغرض علمی اور سیاسی جنگ لڑنے کے لیے جس مواد کی ضرورت ہے وہ انہوں نے مہیا کر رکھا ہے۔ شیخ عیسیٰ یوسف کہنے لگے کہ مولانا مودودی ہمیشہ یہ تاکید کرتے رہے ہیں کہ ہم اپنی ایک باقاعدہ تنظیم قائم کریں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ترکستان کے مسئلہ کو عالمی رائے عام اور خصوصاً عالم اسلامی کے سامنے رکھیں۔ ہماری موجودہ تنظیم کی سرگرمیاں مولانا محترم کی اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ ہیں۔ ترکستان کے بعض دوسرے مہاجرین بھی انفرادی طور پر ترکستان کے مسئلہ پر آواز اُٹھاتے رہتے ہیں۔ ان میں نمایاں ترین آدمی شیخ محمد امین اسلامی ہیں جو جدّہ میں مقیم ہیں اور قلمی حد تک اس مسئلہ کے حق میں بھرپور جدوجہد کر رہے ہیں۔ اِس معاملے میں مغربی ترکستان کے مہاجرین نے کمزوری کا ثبوت دیا ہے۔ ترکی، افغانستان، پاکستان اور سعودی عرب میں ان کے بکثرت لوگ بستے ہیں، مگر ایک تو روسی کمیونسٹوں کے وحشیانہ مظالم کا ہول ان پر اِس قدر طاری رہا کہ اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ ان کو اپنے قضیے کو پیش کرنے کا کہیں موقع نہ مل سکا اور دوسرا غریب الوطنی اور معاشی مشکلات بھی ان کی راہ میں حائل رہیں۔ مگر اب بظاہر اُن کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا ہے۔ انہیں اپنے مسئلہ کو بہانگِ دہل اُٹھانا چاہیے۔ شیخ عیسیٰ سے یہ معلوم کر کے اطمینان ہوا کہ جزیرہ نمائے قرم (کریمیا) کے تاتاری مہاجروں میں سرگرمی پائی جاتی ہے۔ ترکی میں اُن کی اپنی تنظیم ہے جس کی طرف سے امل کے نام سے ایک اخبار نکلتا ہے اور

اب خود روس میں بھی انہوں نے ایجی ٹیشن شروع کر دیا ہے۔ راقم الحروف نے شیخ عیسیٰ یوسف سے وعدہ کیا کہ گو ہم نے ترکستان کے مسئلہ کے بارے میں پہلے بھی کبھی کوتاہی نہیں کی ہے، مگر آئندہ انشاء اللہ اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کریں گے۔ بلکہ میں نے انہیں یاد دلایا کہ ایک مرتبہ رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں ترکستان کے مسئلہ پر جب قرارداد آئی تو فارموسا کے نمائندے کی طرف سے اُس کی مخالفت کی گئی، کیونکہ روس اور چین کے علاوہ فارموسا کی نیشنلسٹ حکومت بھی ترکستان کی دعویدار رہی ہے اور تاریخی طور پر وہ ترکستان کو چین ہی کا ایک حصّہ قرار دیتی ہے۔ مگر مولانا مودودی نے اس کوشش کا بروقت تدارک کیا اور تاریخی حیثیت سے تحریری طور پر رابطہ کے اجلاس کے اندر یہ ثابت کیا کہ ترکستان صرف ترکستان کی تُرک اور مسلمان اقوام کا خطہ ہے اور بیرونی اقوام کو خواہ وہ چینی ہوں یا رُوسی اس پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ مولانا محترم کے دلائل کے بعد ترکستان کے مسئلہ پر بڑی مضبوط اور واضح قرارداد پاس کی گئی اور آئندہ کے لیے ایسی نامناسب اور بے بنیاد کوشش کا سدّباب کر دیا گیا۔

ایک اسلامی ورکشاپ شیخ عیسیٰ یوسف سے فارغ ہوا تھا کہ عبدالقادر سیزگین، نائلف آفندی اور استاذ عُزیر اور شیخ یوسف بھی تشریف لے آئے اور استنبول کے بعض مقامات کی سَیر کے ارادے سے ہم ہوٹل سے نکل کھڑے ہوتے۔ قدیم استنبول (قسطنطنیہ) کی حد سے نکل کر جو قدیم فصیل کی شکل میں اب تک قائم ہے نئی آبادی میں آگئے۔ پروگرام تو یہ تھا کہ سب سے پہلے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پہ حاضری دی جاتے۔ مگر چونکہ نماز ظہر کا وقت ہو رہا تھا اس لیے ہم راستے میں ایک ورکشاپ میں چلے گئے جس کے مالک جناب حسین آفندی بڑے نیک دل اور صاحب جذبہ مسلمان ہیں۔ اس ورکشاپ میں ہم نے نماز ظہر ادا کی۔ ورکشاپ کے مالک اور نوخیز کاریگروں کو دیکھ کر بڑی مسرّت ہوئی۔ اس ورکشاپ میں نجّاری کے آلات تیار ہوتے ہیں اور ۴۰ کے قریب کاریگر کام کر رہے ہیں جو سب کے سب نوخیز اور ۲۰-۲۵ سال کے لگ بھگ یا اس سے کم عمر کے ہیں۔ نماز ظہر کے وقت ورکشاپ بند کر دی گئی اور خود حسین آفندی اور تمام ملازمین ورکشاپ کی مسجد میں، جو ورکشاپ کے اوپر کے حصّہ میں بنائی گئی ہے، جمع ہو گئے۔ عبدالقادر سیزگین نے جماعت کرائی۔ اس کے بعد نوخیز نمازیوں نے قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دی۔ تقریباً سات آٹھ لڑکوں

نے تلاوت میں حصہ لیا۔ اور یہ دیکھ کر تعجب ہُوا کہ ابھی ابھی جو لڑکے بجلی کی مشینوں پر کام کر رہے تھے اور لوہے کے ساتھ کُشتی لڑ رہے تھے وہ جب قرآن کی تلاوت کرنے لگے تو لہجہ، مخارج اور ادائیگی الفاظ میں اچھے خاصے قاری نظر آتے۔ آوازہ کا سُر یلا پن اس پر مستزاد۔ کجا ورکشاپوں کی دنیا اور کجا نماز اور قرآن سے یہ دلچسپی۔ قراءت کے بعد مجھ سے تقریر کا مطالبہ کیا گیا۔ چنانچہ میں نے مختصر طور پر اُن کے سامنے اسلام میں محنت کی اہمیت اور محنت کار کے مرتبہ و مقام پر اظہارِ خیال کیا۔

اِس نرالی ورکشاپ سے مجھے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ حسین آفندی سے جب گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ مَیں یہاں ننھے بچّوں کو اِس شرط پر بھرتی کرتا ہوں کہ وہ نماز پڑھیں گے اور اُن اسلامی آداب کا جن کی اس ورکشاپ میں پابندی کرائی جاتی ہے، لحاظ کریں گے اور قرآن کریم کی سورتیں اور دعائیں یاد کریں گے۔ چنانچہ میں نماز اور قرآن خوانی کے لیے انہیں ورکشاپ کے اوقاتِ کار میں موقع دیتا ہوں۔ نماز اور روزہ کے مسائل بھی انہیں باقاعدہ پڑھائے جاتے ہیں۔ رمضان شریف میں اوقاتِ کار میں بھی دو گھنٹوں کی کمی کر دی جاتی ہے۔ حسین آفندی نے مسجد کے اندر وضو کے لیے گرم پانی کا وافر انتظام کر رکھا ہے۔ لڑکوں کو ایک ایک آہنی الماری دے رکھی ہے جس میں وہ اپنے کپڑے اور صابن رکھتے ہیں اور نماز پڑھنے کے وقت فوراً لباس تبدیل کر لیتے ہیں۔ میں نے چند لڑکوں سے پوچھا کہ وہ روزے کی حالت میں کیسے کام کر رہے ہیں؟ اُن سب کا جواب یہ تھا کہ روزہ کام میں ہر گز حائل نہیں ہوتا بلکہ روزے میں انسان زیادہ یکسوئی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ ایک نوجوان نے یہاں تک کہہ دیا کہ یورپ نے لوگوں کو دھوکا دیا ہے کہ روزہ سے کارخانوں کی پیداوار میں کمی ہو جاتی ہے۔ اس ذہین و فطین نوجوان نے میری معلومات میں یہ اضافہ بھی کر دیا کہ یورپ نے جو کچھ کہا ہے یہ اُس کے اپنے ذہن کی اختراع نہیں ہے بلکہ ایک یہودی اسکالر ڈرینچ نے سب سے پہلے کہا تھا کہ "رمضان کا مہینہ پیداوار میں حائل ہوتا ہے۔" معلوم ہُوا کہ اس کارخانے کے تمام کارکن روزے سے ہیں۔ اُن سب نے حسین آفندی سے بڑی محبت کا اظہار کیا اور اُن کی خوش اخلاقی کی بے حد تعریف کی۔ اُجرتوں کے بارے میں بھی حسین آفندی بڑی فراخدلی اور انصاف پسندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ دو سو ترکی پونڈ سے اُجرت کا آغاز ہوتا ہے جو معمولی کام جاننے والا لیتا ہے اور پھر حسبِ قابلیت اور تجربہ اُس میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ حسین آفندی سے

گفتگو میں یہ انکشاف بھی ہوا کہ ان کا تعلق ترکی کی اسلامی تحریک سے ہے۔ بڑے مجاہد اور سرگرم آدمی ہیں دین کی دعوت و اشاعت میں نمایاں حصّہ لیتے ہیں۔ ان کی ورکشاپ میں جتنے لڑکے کام کرتے ہیں ان کے والدین اور سرپرستوں پر ان کا بڑا اخلاقی اثر ہے۔ ورکشاپ سے رخصت ہونے لگے تو حسین آفندی نے کہا کہ پاکستان میں جو لوگ اسلام کی سربلندی کے لیے کام کر رہے ہیں اُن سب تک میرا ہدیۂ محبت و عقیدت پہنچا دیا جائے۔ حسین آفندی نے ورکشاپ کو صحیح معنی میں اسلامی تحریک کا نرسری فارم بنا رکھا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تحریک ہمہ پہلو کام کر رہی ہے اور نیک فطرت انسانوں کی ایک جماعت اللہ تعالیٰ نے اس کام پر لگا رکھی ہے۔

قبرستان سلطان ایوب | ورکشاپ سے فارغ ہو کر ہم اس آبادی میں آگئے جسے "ایوب سلطان" کہتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ اور چند دیگر صحابہ کی اسی آبادی میں آرامگاہیں ہیں۔ یہ آبادی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے نام منسوب ہے اور عوام اسے اختراماً "ایوب سلطان" کہتے ہیں۔ یہ نہایت پُرفضا اور دلکش مقام ہے ایک پہاڑی کے اُوپر ہم نے چڑھ کر دیکھا کہ گولڈن ہارن خلیج پانچ میل تک اندر داخل ہونے کے بعد یہاں آکر ختم ہو رہی ہے۔ ساحل کے اِس پار وسیع و عریض قبرستان ہے۔ اور اس کا نام بھی "ابو ایوبؓ" ہے۔ دُور دُور تک قبریں نظر آئیں۔ عثمانی خاندان کے کئی بزرگ اس قبرستان میں مدفون ہیں۔ نائف آفندی نے کئی ترکی جرنیلوں اور سپہ سالاروں کے نام بھی لیے جن کی قبریں یہاں بنی ہوئی ہیں۔ گزشتہ زمانے میں بھی اور آج بھی ہر شخص کی یہ آرزو ہے کہ اُس کی آخری آرامگاہ اِسی متبرک قبرستان کے کسی گوشے میں بنے۔ اور اُسے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی ہمسائگی اور قرب کی سعادت حاصل ہو۔ قریب ہی ایک قبر کی طرف انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے نائف آفندی نے کہا یہ فوزی چقماق پاشا کی قبر ہے۔ اُستاذ عزیر نے فوراً چین بجبیں ہو کر کہا کہ "ترکی کو لادینیت کے حوالے کرنے میں ان صاحب کا بھی حصّہ ہے کیونکہ فوزی چقماق پاشا کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ لوزان کانفرنس (۱۹۲۳ء) کے بعد مصطفیٰ کمال پاشا نے پچھلے تمام وعدوں پر پانی پھیر کر نیا راستہ اختیار کر لیا ہے۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد فوزی چقماق نے کیوں نہ اس سے عوام کو خبردار کیا؟ اور کیوں نہ لادینیت کے سیلاب کا بروقت انسداد کیا؟ مصطفیٰ کمال پاشا اور محترم عصمت انونو کے دَور تک ترک عوام اپنی تاریخ کے ۲۵ سالہ دَور کے بارے میں اندھیرے میں رہے ہیں مگر اب جو اس دَور کے چہرے سے یکایک نقاب اٹھا ہے تو اس کا ہر ہر پہلو روزِ روشن کی

طرح عیاں ہو کر سامنے آگیا ہے۔ اِس دور میں جس شخص نے جو رول ادا کیا ہے ترکی قوم کا بچہ بچہ اُس سے آگاہ ہو چکا ہے اور مدح و ستائش کے جھوٹے اور مصنوعی لبادے اُتر جانے کے بعد تاریخ کے صفحات میں وہی مقام حاصل کر رہا ہے جس کا وہ مستحق ہے۔ آج ایک مختصر سے بے دین گروہ کے سوا ترک عوام میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو مصطفیٰ کمال کو ترکی قوم کا ہیرو سمجھتا ہو۔ بلکہ جس سے بات کیجیے وہ اس کو بدترین الفاظ سے یاد کرتا ہے۔

پیرلوتی کا قہوہ خانہ پہاڑی کی چوٹی پر ایک قدیم قہوہ خانہ ہے جسے "پیرلوتی کا قہوہ خانہ" کہتے ہیں۔ پیرلوتی مشہور فرانسیسی ناول نگار گزرا ہے۔ یہاں یہ روایت مشہور ہے کہ اس نے اپنا شہرۂ آفاق ناول ازیادا اسی قہوہ خانہ کے اندر ایک چٹان کے اوپر بیٹھ کر لکھا ہے۔ اس ناول میں اُس نے جتنی خیالی تصویریں کھینچی ہیں وہ اس منظر کے حسن و جمال سے تأثر کا نتیجہ تھیں۔ قہوہ خانہ کے اندر کی ہر چیز حتیٰ کہ فرنیچر، برتن اور اشیاء کی ترتیب قدیم عثمانی دور کی عکاسی کرتی ہے۔ عثمانی خلفاء بھی غمِ دنیا سے تھوڑی دیر نجات پانے کے لیے اس قہوہ خانہ کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں۔ اگر عثمانی دور کی مثالی تفریح گاہ کا اندازہ کرنا ہو تو اس قہوہ خانہ سے اُس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ہر چیز سے معقولیت اور سنجیدگی مترشح ہوتی ہے۔ ساقی گروں کے لباس کے بھی جو نمونے اس میں نظر آتے ہیں اُن سے بھی یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اُس دور میں تفریح اور دل لگی کے لیے جو سامان اور ذرائع مستعمل تھے اُن میں جائز حدود کو پامال نہیں کیا گیا اور نہ سنجیدگی اور وقار کا دامن ہاتھ سے چھوڑا گیا ہے۔ البتہ قہوہ خانہ کے موجودہ کارندے اِس سنجیدگی اور وقار کو ٹھیس پہنچا رہے ہیں۔ ہم اندر داخل ہوئے تو ایک خاتون جس نے قدیم طرز کا خالص ترکی لباس پہن رکھا تھا ہمیں قہوہ پیش کرنے کے لیے آگے بڑھی مگر نائف آفندی نے اُسے ترش لہجے میں کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے؟ اس پر اُس نے بڑی معذرت کی اور معافی بھی مانگی اور بتلانے لگی کہ عام سیاح آکر یہاں آج کل بھی قہوہ پیتے ہیں۔ اس لیے مَیں نے معمولاً یہ پیش کش کر دی۔ اِس رومانی شہر میں یہ جگہ حد درجہ رومانی ہے۔ زائر اس منظر پر نگاہ ڈالتے ہی بیخود ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ قدیم استنبول کے گنبد اور مینار، ہلال نما شاخِ زریں، وہ چھوٹا سا چشمہ جس کا نام یورپ کا آبِ شیریں رکھا گیا ہے جہاں ترک شہزادیاں پکنک کے لیے جایا کرتی تھیں، اور تا حدِ نگاہ لالۂ و نسترن کی بچھی ہوئی سُرخ و زرد چادر۔

قبروں سے مسلمانوں کی عقیدت | حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مزارِ مبارک کو جب ہم جا رہے تھے۔ تو راستے میں بعض ایسی قبریں نظر آئیں جن پر شمعیں جل رہی تھیں اور دیواروں کے ساتھ دھاگے بندھے تھے میں نے نائف آفندی سے پوچھا کہ یہ حرکتیں ترکی میں بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہاں کئی ولیوں کے مزار ہیں جن میں ہر وقت اہلِ طلب کا ہجوم رہتا ہے۔ عورتیں اور مرد اپنی حاجتیں لے کر آتے ہیں شمعیں جلاتے ہیں۔ نذرانے چڑھاتے ہیں اور حصولِ مدعا کے لیے دیواروں پر دھاگے باندھتے ہیں۔ اندازہ کیجیے کہ قبر پرستی اور خوش عقیدگی کی یہ وبا مسلمان ملکوں میں کس قدر عام ہے۔ ہندوستان اور پاکستان کے جہال ہی اس میں مبتلا نہیں ہیں، یورپی ترکی کے جہال بھی اِس حمام میں ننگے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۱۹۶۴ء میں جب میں قاہرہ گیا اور امام شافعیؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کے لیے حاضر ہوا تو یہ دیکھ کر طبیعت سخت کبیدہ ہوئی کہ ایک امام اور فقیہ کی قبر کو بھی بار لوگوں نے اپنی اوہام پرستی کی آماجگاہ بنا رکھا ہے۔ عورتوں کے گروہ قبر کے گرد طواف کر رہے ہیں۔ طواف کے دوران عورتیں جھومتی ہیں اور چیخیں مارتی ہیں۔ مجاوروں کی بن آئی ہے۔ نذرانے اور ہدیوں کی بھرمار ہے۔ عورتوں کی چیخوں کی حقیقت ایک دوست نے یہ بتائی کہ یہ امام شافعیؒ کی روح سے ہمکلام ہونے کے لیے ہیں۔ کتاب الأم اور الرسالہ کے مصنف اور اصولِ فقہ کی بنیاد رکھنے والے اور مذہب شافعیؒ کے امام کو کیا خبر تھی کہ انہیں پیروکاروں کی ایک ایسی جماعت بھی ملے گی جسے اُن کی فقہ سے کوئی دلچسپی نہ ہوگی بلکہ وہ اُن کی روح کو حاضر کرکے اُس سے عشق و محبت کی مشکلات حل کرنے میں مدد حاصل کرے گی۔ خرافات بدعات کی یلغار سے اگر کسی کی قبر محفوظ رہی ہے تو وہ امام ابن تیمیہؒ ہیں۔ دمشق میں جہاں ابن العربی کا مزار اوہام پرستی اور مشرکانہ اعمال کا گڑھ بنا ہوا ہے، امام ابن تیمیہؒ اسپتال کی ایک غیر آباد دیوار کے زیرِ سایہ اِن تمام حرکتوں سے محفوظ ابدی نیند سو رہے ہیں۔ اور گمنامی کا یہ عالم ہے کہ اگر کسی سے اُن کی قبر پوچھی جائے تو وہ لاعلمی کا اظہار کرے گا

(باقی)